نا تمام

جی تو چاہتا ہے کہ گزشتہ چھ سات ماہ میں گزرنے والی حکایت تفصیل سے بیان کر دی جائے ،لیکن شاید ابھی کچھ اور انتظار کرنا ہوگا۔۔۔۔۔اور مضمون وہی ہے کہ

افسوس بے شمار سخن ہائے گفتنی

خوف فساد خلق سے نا گفتہ رہ گئے

اگر اس میں خود ستائی کا کوئی پہلو ہے تو میں معافی کا خواستگار ہوں ،لیکن حقیقت یہی ہے کہ یہ کتاب جس کا اب دسواں ایڈیشن شائع ہو رہا ہے، کئی اعتبار سے یاد رکھی جائے گی۔اگر چہ گزشتہ سال اگست میں اشاعت کے فوراً بعد انتخابات کا غلغلہ اٹھ کھڑا ہوا ،لیکن پھر بھی یہ سال گزشتہ کی سب سے زیادہ مقبول کتاب تھی۔الیکشن سے پہلے اس کی سات ہزار کاپیاں بک چکی تھیں اور بعد میں بھی اشاعت کا سلسلہ جاری رہا۔جہاں تک میں جانتا ہوں پاکستان کی پوری تاریخ میں نہ تو کوئی سوانح عمری اس سے زیادہ بکی اور نہ پڑھی گئی۔

لیکن یہ اس داستان کا فقط ایک پہلو ہے۔ایک دوسرا پہلو یہ ہے کہ جیسے ہی کتاب کا مسودہ اشاعت کے لیے پیش کیا گیا ،اس کا ایک حصہ چرا لیا گیا۔غالباً یہ خفیہ اہلکاروں اور بعض سیاست دانوں کے لیے تھا۔بعد میں جب کتاب چھپی تو ایک سیاست دان بازار میں آنے سے پہلے اس کی ایک کاپی حاصل کرنے کے لیے بے تاب تھے، جن کی ریاکار سیاست کے بعض گوشوں پر اس کتاب میں گفتگو کی گئی ہے۔ایک دوسرے مہم جو اور غلغلہ پسند سیاستدان پہلے ہی تبریٰ کرنے میں مصروف تھے۔کتاب شائع ہوئی تو شہر میں افواہ پھیلائی گئی کہ اس میں مسلح افواج کے سربراہ کو سانحہ 17 اگست کا ذمے دار قرار دیا گیا ہے، ہدف واضح تھا۔بعد میں کم از کم تین اخبار نویس اس کتاب کا جواب لکھوانے کے لیے سرگرم پائے گئے۔انہیں وسائل کی پیش کش کی گئی ،لیکن تن برہنہ درزیوں میں سے کوئی بھی اپنا چولا خود سینے کو تیار نہ تھا۔کچھ شور وغوغا کرنے والے محفلوں میں چلاتے پائے گئے کہ وہ اس کتاب کے خلاف لفظوں کے انبار لگا دیں گے۔میرا جواب یہ تھا کہ خدا نے مجھے قلم کس دن کے لیے عطا کیا ہے۔وہ اپنا شوق پورا کر لیں ،اس طرح وہ مجھے اپنا موقف پیش کرنے کا موقع عنایت کریں گے اور اس پر میں ان کا شکریہ ادا کروں گا۔عظیم المرتبت مرزا اسد اللہ خان غالب کی طرح یہ کمترین بھی تماشے کا منتظر ہی رہا۔

11 اگست 1990ء کو لاہور میں کتاب کی افتتاحی تقریب منعقد کی گئی۔بعض ممتاز افغان راہنماوں کو خاص طور پر اس میں شرکت کے لیے مدعو کیا گیا۔لیکن ٹھیک اسی روز ایک نازک موضوع پر اہم اجلاس کا فیصلہ کر لیا گیا۔اس اجلاس کا فیصلہ آئی ایس آئی کے صدر دفتر میں ہوا، جہاں ایک صاحب بڑی سرگرمی سے یہ دعویٰ فرما رہے تھے کہ یہ کتاب سی آئی اے کے سرمایے سے لکھی گئی ہے، تاکہ صدر ضیا الحق کی عظمت کو کم کر کے پیش کیا جائے۔ادھر لاہور میں ایک بائیں بازو کا ایک معتبر دانشور دوسروں کو معتبر ذرائع سے بتا رہا تھا کہ یہ کتاب آئی ایس آئی کے کہنے پر لکھی گئی ہے۔بعد میں ممتاز افغان

راہنما گلبدین حکمت یار سے جب میری ملاقات ہوئی تو معلوم ہوا کہ انہوں نے کتاب کا بالاستیعات مطالعہ کیا ہے اور ان کا کہنا یہ تھا کہ وہ سفر کے لیے روانہ ہونے والے تھے، جب انہیں مذکورہ اجلاس کی اطلاع دی گئی اور یہ کہ انہیں عمر بھر اس تقریب میں شریک نہ ہونے کا ملال رہے گا۔

جلد ہی قارئین کے خطوط کا سلسلہ شروع ہوگیا۔ یہ خطوط صرف پاکستان ہی نہیں، سعودی عرب، ترکی، اور یورپ سے بھی موصول ہوئے۔ دمام سے ایک خاتون نے لکھا کہ ان کے لیے جنرل اختر عبدالرحمٰن کی ایک تصویر بھیج دی جائے تاکہ وہ اپنے کم سن بیٹے کے کمرے میں آویزاں کرسکیں۔ کتنے ہی لوگوں نے راقم السطور سے کہا کہ وہ اس کتاب کو اپنی اولاد کی تربیت کا بہترین ذریعہ تصور کرتے ہیں۔ ایک رات جب میں گھر پہنچا تو میں نے میز پر بھارتی چائے کا ایک بڑا ڈبہ اور الائچیوں کے کچھ پیکٹ پڑے ہوئے دیکھے۔ یہ ایک مشہور سکھ حریت پسند کی طرف سے تھے۔ اپنے مختصر خط میں انہوں نے لکھا کہ کاش سکھ حریت پسندوں کو کوئی جنرل اختر عبدالرحمٰن نصیب ہوسکے۔

ایک طرف بدگمانی اور حسد سے مرے جانے والے اخبارنویس، دانشور اور سیاست کار تھے، اور دوسری طرف دنیا بھر سے بھیگی آنکھوں سے خط لکھنے والے قاری، ان دونوں کے درمیان کھڑا میں حیرت سے سوچتا رہا، اور اب بھی سوچ رہا ہوں کہ قافلہ والوں کا عالم کیا ہے اور رہبروں کی کیفیت کیا ہے۔

یہ کون لوگ تھے، جو کتاب پر معترض تھے اور اس کے خلاف مہم چلا رہے تھے۔ انہیں اس سے کیا تکلیف پہنچی تھی؟ ایک داستان ہے، جو ایک روز بیان کردی جائے گی اور خدا کی زمین پر کوئی کج کلاہ نہیں ہے، جو مجھے ایسا کرنے سے روک سکے۔ یہ بے سبب نہیں ہے کہ بے نظیر بھٹو کے اقتدار سے رخصت ہونے کے بعد بھی سانحہ 17 اگست کی تفتیش شروع نہیں ہوسکی۔ حالانکہ کسی معیار سے یہ چند ہفتوں سے زیادہ کا کام نہ تھا۔ کون لوگ ہیں جو ایسا نہیں ہونے دیتے، کیا ان کے چہروں پر ہمیشہ نقاب پڑے رہیں گے؟ تاریخ آخرکار سارے راز منکشف کردیتی ہے۔

مجھ پر لازم ہے کہ میں ''فاتح'' کے بے حساب مقبولیت کے لیے پروردگار کا شکر ادا کروں، بے شک سب کامیابیاں اسی کی طرف سے ہیں۔ وہی آزمایشوں میں سرخرو کرنے اور کاوشوں میں برکت عطا کرنے والا ہے۔

کتاب کے قارئین کی طرف سے جس محبت کا اظہار کیا گیا، اس کا شکریہ ادا کرنے کے لیے میرے پاس الفاظ نہیں، انہوں نے خط لکھے، دور دراز سے تحفے بھجوائے اور وہ بار بار سوال کرتے ہیں کہ اب میں کیا لکھ رہا ہوں۔ بھائی، اتنی بے پناہ محبت کے بعد بھی اگر میں آپ کے لیے نہیں لکھوں گا تو اور کیا کروں گا۔ لیجیے، اب میں کابل کی طرف کوچ کرنے والا ہوں تاکہ سال رواں کے آخر میں اگلی کتاب کی تکمیل کرسکوں۔ افغان جہاد کے پورے پس منظر میں یہ ایک اور ولولہ انگیز شخصیت انجینئر گلبدین حکمت یار کے بارے میں ہے۔ وہ شخص جس نے سب سے پہلے افغانستان کی آزادی کا خواب دیکھا۔

احقر

ہارون الرشید

لاہور ۴ جولائی ۱۹۹۲ء

۴۱۔ڈی۔وفاقی کالونی لاہور